https://doi.org/10.58352/tis.v47i2.874

The Islamic Culture
Bi-Annual Research & Refereed Journal
Published by
Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of Karachi
الثقافة الإسلامية
ISSN (Print) : 1813-775X
ISSN (Online) : 2663-1709

سوشل سائنسز کی اسلامائزیشن کے حوالے سے فکرِ اقبال کا اختصاصی مطالعہ

A SPECIFIC STUDY OF IQBAL'S THOUGHT REGARDING THE ISLAMIZATION OF SOCIAL SCIENCES

Syed Sajjad Haidar
PhD Scholar, Islamic Studies Department,
The Islamia University Bahawalpur

Dr. Hafiz Muhammad Idrees
Lecturer and Researcher,
Maahad Islami, Denmark

Muhammad Abu Bakar
Librarian, Fareed-e-Millat Research Institute, Lahore

Abstract

Allama Iqbal is the great philosopher and social scientist of the 20th century who has predicted and depicted many new worlds with his lofty thoughts. He is also persuading the downtrodden and decadent Muslims to set their own objectives and explore their own paths in accordance the norms of the contemporary era. In order to address the serious loss of religious thought and Islamic civilization, Allama Iqbal urged Muslims to advance and promote modern ilm-ul-kalam. This is the way through which the young generation can be saved from the poison of Atheism by correcting the direction of social sciences which has been built on the basis of Atheism and Materialism. Allama Iqbal's concept of self-development imply on individual development while the concept of non-self refers to collective development. Respectively, the first-mentioned is the key chapter of psychology and the second-mentioned is the most important and central subject of sociology. In this research, modern social problems such as individualism and collectivism have been discussed in the context of Iqbal's thought, so that it can be clear how Allama Iqbal , instead of emphasizing the conflict between the individual and the society, he talked about to be mutually united. It is from which an ideal society can be formed.

Keywords: *Islamization, Psychology, Sociology, Ilm-ul-kalam, Materialism*

علامہ اقبال بیسویں صدی کے وہ عظیم فلسفی اور سوشل سائنٹسٹ ہیں جنہوں نے اپنے افکار عالیہ سے کئی تازہ جہانوں کی پیش بینی اور تصویر کشی کی ہے۔ وہ شکست خوردہ اور زوال آمادہ مسلمانوں کو بھی اس طرف راغب کر رہے ہیں کہ وہ عہدِ حاضر کی چیرہ دستیوں سے باخبر ہو کر اپنی منازل کا تعین بھی خود کریں اور اپنے راستے بھی خود بنائیں۔ دینی فکری اور تہذیبی زوال سے نمٹنے کے لیے علامہ اقبال نے جس چیز کی شدت سے ضرورت محسوس کی اور اس کی طرف دعوتِ فکر دی وہ جدید علم الکلام کی تشکیل و ترویج ہے یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے دہریت اور مادیت پرستی کی بنیادوں پر استوار سوشل سائنسز کی سمت درست کر کے نوجوان نسل کو "دہریت" جیسے زہر ہلاہل سے بچایا جا سکتا ہے۔ علامہ اقبال کا تصورِ خودی انفرادی ترقی اور تصورِ بے خودی اجتماعی ترقی کی بات کرتا ہے۔ بالترتیب اول الذکر علم نفسیات کا موضوع ہے اور ثانی الذکر عمرانیات یا سماجیات کا اہم ترین بلکہ کلیدی موضوع ہے۔ اس تحقیق میں انفرادیت پسندی اور اجتماعیت پسندی جیسے جدید عمرانی مسائل کو فکرِ اقبال کے تناظر میں زیرِ بحث لایا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کس طرح علامہ اقبال نے فرد اور معاشرہ کے درمیان ٹکراو پر زور دینے کی بجائے انہیں ایسی وحدت کی لڑی میں پرو دیا جس سے ایک مثالی معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

تعارف:

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ سوشل سائنسز سے یہاں پر کیا مراد لی جا رہی ہے اور یہاں پر کون سے سماجی علوم کی اسلامائزیشن کی بات کی جا رہی ہے۔

برٹانیکا کے مطابق سوشل سائنسز کی تعریف کچھ یوں ہے:

Social science, any branch of academic study of science that deals with human behavior in its social and cultural aspects. Usually included within the social sciences are cultural (or social) anthropology, sociology, psychology, political science and economics. [1]

سماجی سائنس کی کوئی بھی شاخ جو انسانی رویے کے سماجی اور ثقافتی پہلوؤں سے متعلق سائنس کا علمی مطالعہ کرتی ہے۔ عام طور پر سماجی علوم میں ثقافتی (یا سماجی) بشریات، سماجیات، نفسیات، سیاسیات اور معاشیات شامل ہیں۔

سوشل سائنسز سے مراد وہ تمام علوم ہیں جن میں انسانوں کے باہمی روابط اور انفرادی و گروہی معاملات کو موضوعِ بحث بنایا جاتا ہے۔ انفرادی یا اجتماعی حیثیت میں یہ علوم نہ صرف انسان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی ذہنی اور جسمانی وظائف کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ سوشل سائنسز کی اسلامائزیشن یہ ہے کہ ان تمام سماجی علوم کا مطالعہ اسلامی تناظر میں کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے فکرِ اقبال پل کا کردار ادا کرتی ہے۔ کسی بھی تہذیب کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ اس کا علمی و فکری نظام متحرک اور زندہ رہے، اسلامی تہذیب جو کہ اس وقت کثیر الجہت مسائل اور بحرانوں کا شکار ہے اس کی سب سے اہم وجہ اس کے علمی و فکری نظام کا روبہ ءِ زوال ہونا ہے۔ علامہ اقبال جو کہ حکیم الامت کے لقب سے ملقب ہوئے انہوں نے جس انداز میں اس مسئلہ کی سنگینی کو واضح کرتے ہوئے اس کا حل بتایا ہے یہ وہ راستہ ہے جس کے ذریعے اسلامی تہذیب کی نشاۃ ثانیہ کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ علامہ اقبال انسانوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص اس امر کی دعوت ہیں کہ اگر حقائق کائنات معلوم کرنے ہیں اور ذاتِ حق تک رسائی حاصل کرنی ہے تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ علوم کو دینی اور دنیاوی علوم ایسے فرضی خانوں میں انہیں منقسم کر کے باہم متصادم گردانتے لگو۔ بلکہ انہیں باہم ملا کر ایسا امتزاجی اسلوب بروئے کار لاؤ جو

حقیقت کو زیادہ صاف اور شفاف انداز میں آپ کے سامنے رکھے۔ اس کے لیے ضروری ہے اپنے اندر گہری بصیرت اور تفکر کا عنصر پیدا کرو۔

اسی قضیہ اور ضرورت کو بختیار احمد صدیقی اس طرح تحریر کرتے ہیں:

تعلیم کا مقصد ثقافت (مادی لوازمات) کی صرف حفاظت ہی نہیں، بلکہ اجتہادی گہرائیوں کو دوبارہ حاصل کرکے اسکی تعمیر نو بھی ہے۔ جہاں تک ملت اسلامیہ کا تعلق ہے اسکے لیے اقبال کے نزدیک ایک جدید علم الکلام کی تعمیر اور فکرِ دینی کی تعمیر نو پر مشتمل علمی کام کی ضرورت ہے۔ [۲]

موضوع کی تحدید:

سوشل سائنسز کا دائرہ علم بہت وسیع ہے معاشیات، پولیٹکل سائنس، قانون، ابلاغیات، سوشیالوجی، تاریخ، ارکیالوجی یعنی آثار قدیمہ کا مطالعہ اور علم انسان جیسے علوم اس میں شامل ہیں۔ لیکن اس تحقیق میں نفسیات اور سماجیات کی اسلامائزیشن کے حوالے سے فکر اقبال کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ اس تحقیق میں جدید عمرانیات کے اہم ترین مسئلہ انفرادیت پسندی اور اجتماعی پسندی کے تعلق و تفرق کو فکرِ اقبال کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تحقیقی مسئلہ:

سوشل سائنسز کی اسلامائزیشن یا جدید علم الکلام کی تعمیر و تشکیل اسی وقت ممکن ہے جب مسلمان جدید علوم کو سامنے رکھ اسلامی اور قرآنی نگاہ سے ان پر غور کریں۔ جدید مغربی علوم و نظریات کے مسلم فکر و سماج سے تعامل کی وجہ سے مسلمان زبردست فکری انتشار اور احساس کمتری کا شکار ہو گئے ہیں۔ دور حاضر کا یہ المیہ ہے کہ دینی و غیر دینی علوم کے نام پر مختلف تعلیمی نظام اور نصاب رائج ہو چکے ہیں۔ جنکی وجہ سے مسلم معاشرت میں غیر معمولی نوعیت کا تضاد واقع ہو چکا ہے۔

مسئلہ کا حل:

اس تضاد کو کافور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دینی و دنیادی علوم جیسی تصوراتی تقسیم کو مٹا کر ایک ایسا یکجا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم وضع کیا جائے کہ جس سے لوگوں کو دینی علوم تہذیبی بقا کے لیے اس طرح ناگزیر محسوس ہوں جس طرح آخرت میں ان کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسی طرح طبعی و سماجی علوم کو اس نگاہ سے دیکھا جائے کہ منصوبہِ خداوندی کی تکمیل کے لیے ان کا اکتساب ناگزیر ہے۔

حالانکہ اسلام میں دین اور دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس لیے دینی علوم اور دنیوی کی تعلیم کے لیے علٰحدہ علٰحدہ درس گاہوں کا اہتمام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ اسلام کی روح کے سراسر منافی ہے۔ آج اسلامی دنیا کا سب سے بڑا اور اہم مسلہ دینی اور دنیوی تعلیم میں ربط پیدا کرنا ہے۔ قومی ہستی کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے لازم ہے کہ رائج الوقت دو متوازی تعلیمی نظاموں فوراً ختم کیا جائے اور دینی اور دنیوی علوم کی باہم ربط کر کے ایک وحدانی نظام تعلیم کی تشکیل کی جائے جس میں تجلیات کلیم اور مشاہدات حکیم، علوم نقلیہ اور علوم عقلیہ دونوں ایک دوسرے سے ہم کنار ہوں۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اقبال نے اپنے خطبہٗ علی گڑھ میں ایک نئے مثالی دار لعلوم کے قیام پر زور دیا۔ [۳]

اہمیت:

ہر قوم کا اپنا ایک الگ نظام تعلیم ہوتا ہے جس میں معاشرے کے حالات میں تبدیلی آنے کے ساتھ ساتھ خود اسمیں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے۔ مسلم تہذیب کے وسیع تر زوال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہی حل سامنے آتا ہے کہ مسلمان اپنا نظامِ تعلیم و فکر دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق وضع کریں۔ایسی صورتحال میں ایک ہی نظام و نصابِ تعلیم کی تدوین وقت کی پکار ہے۔ مدارسِ دینیہ کے طلباء کے لیے جدید علوم کو پڑھنا اور کالجز و یونیورسٹیوں کے طلباء کے لیے اسلامی نظریات سے آگاہی بہت ضروری ہے۔ جدید سماجی علوم کو اسلامی تناظر میں پرکھ کر انہیں معاشرہ میں رائج کر کے نہ صرف مسلمانوں کے بہت سارے مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے بلکہ تمام انسانوں کے وسیع تر مفاد کے لیے آفاقی اصول و نظریات کا بھی کھوج لگایا جاسکتا ہے۔

عام مسلمان کے لیے بالعموم اور دیندار طبقہ کے لیے بالخصوص یہ بات نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ خود حضور انور ﷺ نے قرآن مجید و حدیث شریف اور دین کی ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ بہت سے علوم و فنون کی تعلیم و تربیت کا حکم دے رکھا تھا۔ جن میں علم تجوید، علم انساب، علم ہیت، علم طب، علم الفرائض یعنی وراثت کے احکام، پیراکی، نشانہ بازی اور فن کتابت وغیرہ شامل تھے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

تعلمو امن انسا بکم ما تصلون بہ ارحامکم[۴]

ایک روایت میں ہے کہ سلسلہ نسب کا علم حاصل کرو، تاکہ تمہارے درمیان محبت بڑھے

تعلمو النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[۵]

علم نجوم حاصل کرو۔ تاکہ خشکی اور تری کے راستے دریافت کرنے میں آسانی ہو۔

علم میراث کے متعلق ارشاد فرمایا:

تعلموا الفرائض و علموہ الناس [۶]

وراثت کا علم حاصل کرو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ

تعلمو الرمی والقران[۷]

تیر اندازی سیکھو اور قرآن کی تعلیم حاصل کرو

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

میری دعویٰ ہے کہ نہ صرف علوم جدیدہ کے لحاظ سے بلکہ انسان کی زندگی کا کوئی پہلو اور اچھا پہلو ایسا نہیں ہے جس پر اسلام نے بے انتہا رُوح پرور اثر نہ ڈالا ہو۔ گزشتہ پچاس سال کے دوران میں مسئلہ تعلیم ہماری ہمتوں اور سرگرمیوں کا نصب العین بنا رہا ہے۔ یہ سوال کرنا بے جانہ ہو گا کہ آیا اشاعت تعلیم میں ہم نے کسی خاص رعایت کو پیش نظر رکھا ہے۔ یا استقبال کی طرف سے مطلقاً خالی الذہن ہو کر

محض حال کی فوری اغراض کا لحاظ کیا ہے ؟ ہم نے کس قسم کی تعلیم یافتہ اشخاص تیار کئے ہیں ؟ آیا ان اشخاص کی قابلیت ایسی ہے کہ ہم مسلمانوں کی سی مختص التر کیب جماعت کی عمرانی ہستی کے تسلسل کی کفیل ہو سکے ؟[۸]

علامہ اقبال خطبات کی ابتداء میں قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے علوم کی وحدت کا تذکرہ کچھ اس کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا

کہ تمہاری تخلیق اور قیامت کے دن دوبارہ اٹھایا جانا ایک نفس واحد کی تخلیق وبعثت کی طرح ہے۔[۹]

حیاتیاتی وحدت کا زندہ تجربہ جو اس آیت میں بیان ہوا ہے آج ایسے منہاج کا تقاضا کرتا ہے جو موجودہ دور کے ٹھوس ذہن کے لیے عضویاتی طور پر کم شدت رکھتا ہو مگر نفسیاتی لحاظ سے زیادہ موزوں ہو۔ اس طرح کے منہاج کی عدم موجودگی میں مذہبی علم کی سائنسی صورت کا مطالبہ ایک قدرتی امر ہے۔ مذکورہ بالا بیان سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ علامہ مذہبی علوم کے لیے نہ صرف سائنسی صورت کا مطالبہ کر رہے ہیں بلکہ نفسیاتی طور پر حیات وعلوم کی وحدت کا جائزہ لینے کا تقاضا کر رہے ہیں۔

نفس کیا ہے ؟اس کا علمِ نفسیات سے کیا تعلق ہے ؟اس بات کو جاننے کے لیے قرآن کی طرف رجوع کرنا انتہائی معنی خیز اور بر محل ہے۔ اسی طرح یہاں پر اس بحث سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ جدید علم نفسیات کس حد تک قرآنی اصول کے مطابق ہے اور کس حد تک مختلف نظریات رکھتی ہے۔

نفس وعلمِ نفسیات اور قرآن

لفظ نفس، کا اردو میں کوئی ایک متفقہ مفہوم بیان کرنا ایک انتاہی نازک اور مشکل کام ہے کہ جتنا اس کا کوئی انگریزی متبادل بیان کرنا۔ یہ لفظ اردو زبان میں نا صرف یہ کہ مذہبی دستاویزات میں متعدد معنوں میں آتا ہے بلکہ عام بول چال میں بھی اس کا استعمال متعدد مختلف مواقع پر کیا جاتا ہے۔ نفس سے ملتا ہوا مفہوم رکھنے والا ایک اور لفظ جو قرآن میں آتا ہے، وہ روح ہے جس کی انگریزی Spirit بھی کی جاتی ہے۔ علما کی ایک جماعت کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی لفظ ہیں جبکہ دیگر ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ بیان کرتے ہیں۔

قرآن کی سورت الحجر کی آیت ۲۹ میں ارشاد فرمایا

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ [۱۰]

پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔

مندرجہ بالا آیت میں "روحی" سے مراد نفس یا جان بھی ہے۔ مذہبی (اور اسلامی) دستاویزات میں بھی نفس کو روح کے متضاد بھی تحریر کیا جاتا ہے یعنی نفسانی خواہشات کے مفہوم میں یہی نفس ہوتا ہے کہ جو انسانی وجود کو اللہ سے دور کرتا ہے جبکہ روح انسان کو اللہ کی جانب لے جانے کا تصور اپنے اندر رکھتی ہے۔ نفس سے نفسیات نکلا ہے۔ نفسیات یا سایئکالوجی بنیادی طور پر رویے اور عقلی زندگی کے سائنسی مطالعے کو کہا جاتا ہے۔

چونکہ بات یہاں صرف پر عقل اور اس کے حیاتیاتی افعال انجام دینے کی نہیں بلکہ عقلی زندگی کی ہے یعنی جسمانی اور عقلی کا مجموعہ؛

اس لیے نفسیات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نفسیات دراصل نفس کے مطالعے کا نام ہے اور اسی لیے اس کو نفسیات کہا جاتا ہے یعنی نفس کا مطالعہ۔ انگریزی میں اس کو psychology کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ psych تو نفس کو کہتے ہیں اور logy مطالعہ کو اور یہ انکا مرکب لفظ ہے۔ انگریز سائنسدان ولیم ہاروے نے سب سے پہلے انگریزی زبان میں لفظ سائیکالوجی کو استعمال کیا۔(۱]

قرآن میں نفس کی اقسام کچھ اس طرح بتائی گئی ہیں:

ماحول و مشاہدہ کی تربیت کا پہلا مرحلہ "نفس امارہ" کہلاتا ہے۔ اس دور میں انسان جذبات کو مرغوب کھلونے سمجھتا اور اُن میں محو ہو جایا کرتا ہے۔ جذباتی لذتوں سے بے حد محفوظ ہوتا اور جذباتی آلام سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ جذبات کی نوعیت سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اُن میں توازن و اعتدال پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ شخصیت جذبات کا غلام بن کر رہ جاتی ہے۔ قرآن کریم نے اسی حالت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ [۲]

آپ نے دیکھا اس شخص کی کیا حالت ہوتی ہے جو ہوائے نفس کو اپنا معبود بنالیتا ہے؟

اس میں کسے شک ہے کہ انسانی جذبات نہایت قوی محرکاتِ عمل ہوتے ہیں اور اگر انہیں متوازن رکھنے کی کوشش نہ کی جائے تو وہ انسان کو اپنا غلام بنا کر اسے غیر صحت مند راستوں پر چلانے لگتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جذبات کی اسی حالت کو پیش نظر رکھ کر فرمایا:

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ-اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ[۳]

میں اپنے نفس کو بری الذمہ قرار نہیں دیتا نفس بے شک برائیوں پر اُبھارتا ہے بجز اس کے کہ میرا رب اپنا رحم فرمائے۔

قرآن کے مطابق نفس کو اس طرح متوازن بنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر و شر دونوں قوتوں کو رکھ کر اس میں تمیز بھی پید کی ہے اور اسکے تزکیہ کو کامیابی قرار دیا، ارشاد ربانی ہے:
وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىہَاۙفَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا [۴]

انسانی جان کی قسم اور اسے ہمہ پہلو توازن و درستگی دینے والے کی قسم۔ اس نے اسے بدکاری اور پرہیزکاری سیکھادی

قرآن جو نصب العین انسان کو عطا کرتا ہے یا نفس کی تہذیب کی بات کرتا ہے۔ جدید نفسیات کا بانی فرائیڈ، اس سے مختلف رائے رکھتا ہے۔ اس کے نظریات سے یہ بات عیاں ہے کہ انسانی شخصیت کا مبدا صرف انسان ہے۔ جس کا مقصد صرف جنسی خواہشات کی تکمیل ہے۔ ورائے انسان کوئی حقیقی روحانی یا مذہبی آدرش انسانی اعمال و افعال کا محرک نہیں۔ فرائیڈ کے برعکس اقبال انسان کو اپنی جبلی خواہشات کا غلام قرار نہیں دیتا۔ علامہ اقبال نفس کے لیے "خودی" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں:

ڈاکٹر غلام مصطفٰے، پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب انہوں نے علامہ اقبال رح سے ان کے فلسفۂ خودی

کے ماخذ کے بارے میں پوچھا، تو علامہ درج ذیل آیت کا حوالہ دیا: [۱۵]

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْؕ-اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ [۱۶]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر فرض ہے خودی کی محافظت، اگر تم پر ہدایت پر ہو تو وہ شخص جو گمراہ ہے، تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ تم سبھی کو اللہ ہی کے پاس واپس جانا ہے۔ پس وہ تمہیں تمہارے اعمال پر مطلع کر دے گا۔

مندرجہ بالا آیت میں "انفسکم" جس کا مادہ "نفس" ہے اس سے مراد انہوں نے "خودی" لیا ہے۔ علامہ اقبال کے مطابق اس آیت میں خودی کی حفاظت اور استحکام کی بات کی گئی ہے۔ علامہ اقبال کا نظریہ سگمنڈ فرائیڈ کے اس نظریہ سے بالکل مختلف ہے کہ انسان کی ساری شخصیت جبلی خواہشات کے تابع ہے اور اسی کے زیرِ اثر ہے بلکہ علامہ اقبال انسان کو آزاد، اپنے مقصد کا تعین کرنیوالے والا گردانتے ہیں۔ جو کہ مادی الاصل ہونے کی بجائے روحانی الاصل ہے۔ جو کہ فقط ماحول اور حالات کے ماتحت نہیں رہتا بلکہ جب یہ اپنی وسعت کا ادراک کر لے تو یہ حالات کا رخ کسی بھی طرف موڑ سکتا ہے۔

پروفیسر نعیم احمد اپنے مضمون ''انسانی شخصیت، فرائید اور اقبال کی نظر میں'' رقم طراز ہیں:

''فرائید کا انسانی موروثی رجحانات اور لاشعوری اُلجھنوں کے بوجھ تلے دبا کراہتا ہوا انسان ہے جسے اس کے اعمال وافعال کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اقبال کا انسان آزاد خود مختار انسان ہے جو ہر دم نت نئے مقاصد اور آدرش وضع کرتا ہے اور وفورِ تخلیق میں تورات اور ماحول کے بندھنوں کو بھی توڑ دیتا ہے۔ [۱۷]

محمد تقی امینی فرائڈ کے نظریات مزید صراحت سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فرائڈ جنسی خواہشات کی تکمیل کو انسان کا حقیقی نصب العین قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کی اعلیٰ سرگرمیاں علم وہنر، فلسفہ واخلاق وغیرہ کی کوئی پائیدار حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ سب انسان کی ناقابل تسکین اور مجبوراً ترک کی ہوئی جنسی خواہشات کو بہلانے کا ذریعہ ہیں۔ اصول اخلاق دراصل سماج کی پیدا ہوئی ایک مصنوعی رکاوٹ ہیں تاکہ انسان کی جنسی خواہشات بے لگام ہو کر اس کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اس کے نزدیک نیک وبد کی تمیز فرضی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ [۱۸]

موٹیویشن علمِ نفسیات کا اہم ترین موضوع ہے۔ انسان اپنے روزمرہ کے اوقات میں ہمیشہ ایک سی کیفیت میں نہیں رہتا۔ اس کی کیفیات واحساسات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی کچھ بہتر مل جانے پر خوش ہوتا ہے تو کبھی کچھ چھن جانے پر مغموم ہو جاتا ہے۔ دورِ حاضر کی تمدنی ضروریات نے انسان کو اس قدر مصروف اور مجبور کر دیا ہے کہ وہ زندگی کو اس کے اصل رنگ میں دیکھنے، اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کے مقاصد کا تعین کرنے میں ناکام نظر آتا ہے۔ ایسی صورتحال میں وہ "نور مبین" یعنی کتاب حکیم کی روشن کرنوں سے مستنیر ہونے کی بجائے اپنے آپ کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے۔

اسلامی موٹیویشن اور احساس کمتری کا خاتمہ:

دورِ حاضر کا انسان متعدد مسائل، ذمہ داریوں کے بوجھ اور مادیت پرستانہ سوچ کی وجہ سے اکثر اوقات ذہنی تناؤ کا شکار رہتا ہے۔

اس کے جب مسائل حل نہیں ہوتے تو یہ نا امیدی اور احساس کمتری کا شکار ہو کر ڈپریشن جیسے مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ جبکہ قرآن انسان کو اسکی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے نہ صرف اسکی حیثیت سے روشناس کرواتا ہے بلکہ اسکی تخلیق کے اہم مقاصد سے آگاہ کرتے ہوئے اسکی دیگر مخلوقات پر برتری اور اسکے اصل مقام سے بھی متعارف کرواتا ہے۔

ارشاد ربانی ہوتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا [١٩]

"یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کی اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت بخشی۔"

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ [٢٠]

"ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔"

انسان کوئی معمولی شئے نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نائب اور اسکے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

جس کا اظہار علامہ اقبال نے کچھ اس طرح کیا ہے:

تو راز کن فکاں ہے، اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا

خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا [٢١]

انسان کی عظمت پہ لکھتے ہیں

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے [٢٢]

اسی طرح انسان کو نا امیدی اور غلامی سے نکلنے، اور یقین کی طاقت کا احساس دلاتے ہوئے اس طرح گویا ہوتے ہیں:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں [٢٣]

اسلام انسان کو ہر قسم کے جبر سے آزادی دلا کر اسے نہ صرف ایک ذمہ دار انسان بناتا ہے بلکہ اسے بہترین اخلاق اور روحانی اقدار کا پاسدار بھی بناتا ہے۔

اکثر انسان اپنے ارد گرد کے حالات، خاندانی پس منظر، معاشی، سیاسی و سماجی حیثیت اور دیگر کئی وجوہات کی بناء پر اپنی خودی کا اظہار نہیں کر سکتے۔ بالفاظ دیگر وہ مختلف قسم کے دباؤ اور ذہنی غلامی کا شکار رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی زندگی کا یہی مقدر رہے یہی ان کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔ وہ سب کچھ تقدیر کے کھاتے میں ڈال کر اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ علامہ اقبال اس روش اور نقطۂ نظر کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اس لیے وہ نماز کی اہمیت غیر روایتی انداز میں بیان کرتے ہیں۔ فکرِ اقبال کے حوالے سے ڈاکٹر تنولی نے اس طرح بیان کیا ہے:

اسلام میں نماز ایک ایسا ادارہ ہے جس کے ذریعے خودی کو میکانکی جبر سے آزادی کی طرف گریز کا موقع ملتا ہے۔[۲۴]

مغربی نظام فکر کی بنیاد "مادیت" ہیں۔ یعنی وہ آفاق و انفس کا مطالعہ مادیت کے ماتحت ہی کرتے ہیں۔ ان کی فکر کا مقصود و مدعا یہی ہے کہ انسان فطرتی مادی اصولوں کے زیرِ اثر ہی زندگی گزار رہا ہے۔ یعنی انسان مادیت کے جبر سے آزاد نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک مادہ ہی حقیقت ہے۔ جبکہ اقبال کے نزدیک انسانی اعمال و افعال کے اصل محرکات روحانی و مذہبی اور اخلاقی عوامل ہیں۔ یہی وہ عوامل ہیں جو جبلی خواہشات کی تہذیب اور تطہیر کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔ اقبال انسانی سرشت کی پاکی و طہارت اور نفسی پاکیزگی پر یقین رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک اس خیال کی کوئی گنجائش نہیں کہ انسانی ذہن کا ایک حصہ ہمی وقت آلودہ اور پراگندہ خواہشات، جنسی میلانات، تمناؤں اور ایسی آرزوں سے بھرا رہتا ہے جو ہر لحظ اس تاک میں رہتی ہیں کہ جب موقع ہاتھ آئے شعور پر حملہ آور ہو کر اپنا اظہار کریں اور اقبال کے نزدیک انسان مادہ اور اُس کی میکانکیی عمل کا غلام نہیں۔ انسانی طرز عمل کا اصل محرک روحانی نصب العین ہے۔

دراصل اقبال اور فرائید میں فرق یہ ہے کہ فرائید کی نظر محض مادیت تک محدود ہے اور اسی کو اساس بنا کر اپنے نتائجِ فکر کا استخراج کرتا ہے۔ اقبال کی ہاں گو مادیت حقیقت کے ایک پہلو کا اظہار ضرور کرتی ہے اور اسے اقبال کے نظام فکر میں ایک اہم مقام بھی حاصل ہے تاہم اقبال کے نزدیک مادیت کو فکر و نظر کے لیے حتمی اساس قرار نہیں دیا جا سکتا۔[۲۵]

مغرب میں جب انسانی شخصیت اور اس کے رویوں کی مادی نظریات کے زیرِ اثر مطالعہ کیا گیا۔ تو وہاں پر انسان کی معاشرہ کے مقابل انفرادی آزادیوں پر سوال اٹھائے گئے۔ یہ بحث بہت اہم تھی کہ کیا انفراد کو اولیت یا اہمیت حاصل ہے یا سماج کو۔ مغربی نظامِ فکر میں بالآخر انفراد کی غیر معمولی آزادی کی بات کی گئی ہے۔ انفراد کو اہمیت دینے کی حد تک تو بات ٹھیک ہے لیکن جب انفراد کی بے لگام آزادی سے معاشرہ کے حقوق تلف ہونے لگے تو سماجی مفکرین نے اس حوالے سے مختلف نظریات پیش کیے۔ اسی طرح علامہ اقبال نے انفرادی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اپنی شہرہِ آفاق کتاب "اسرارِ خودی" تصنیف کی۔ جب علامہ کے نظریہ خودی پر تنقید کی گئی تو انہوں نے اپنے خیالات کی وضاحت کے لیے "رموزِ بے خودی" لکھی۔ جس سے واضح کر دیا کہ کس طرح اسلام فرد و معاشرہ یا انفرادی خودی اور اجتماعی خودی کے باہمی تعلق میں توازن کی ترغیب دیتا ہے۔

نظریہ انفرادیت واجتماعیت پسندی اور اسلامی فکر

سترھویں اور اٹھارویں صدی کے یورپ میں انانیت، انفرادیت پسندی اور حرّیت پسندی کا چرچا رہا۔ یہ نظریات علمِ عمرانیات کے بنیادی موضوعات ہیں۔

عمرانیات کی تعریف کے بارے میں ایلن سونج وڈ کے مؤقف کا خلاصہ یہ ہے: عمرانیات اساسی طور پر سماج کے اندر انسان کے سائنسی اور معروضی مطالعہ کا علم ہے۔ یہ علم سماجی اداروں اور سماجی تسلسل کے طریقوں کا مطالعہ کرتا ہے۔[۲۶]

مغرب کے انسان کے بارے میں مادی نقطہ ءِ نظر نے مشرق کے لیے بھی بہت بڑا چیلنج پیدا کر دیا ہے۔ فرد کی غیر محدود آزادی پر مبنی نظریات نے ایک ایسے معاشرہ کو جنم دیا ہے جسمیں آزادی اظہارِ رائے کے نام پر آئے روز دنگے فساد ہو رہے ہیں۔ ہر انسان اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے مسلسل سر گرداں ہے چاہے ان خواہشات کی تکمیل کے عوض معاشرہ میں کسی بھی نوعیت کا اخلاقی بحران پیدا ہو جائے۔ ایسی صورتحال میں معاشرہ کے حقوق شدید خطرہ میں ہیں۔ اسلام کا نقطہ نظر بڑا متوازن ہے وہ جہاں پر انسان کو بہت زیادہ اختیار اور آزادی دیتا ہے وہاں پر اسکی حدود وقیود کا نہ صرف تعین کرتا ہے بلکہ ضرورت کے تحت قوم کے لیے انفرادی مفادات کی قربانی کی تلقین بھی کرتا ہے۔

زندگی کا اصل محرک چونکہ خودی کے اثبات کا جذبہ ہے۔ اس لیے فلسفیانہ اعتبار سے اقبال کے نزدیک تعلیم کا مقصود خودی کی صحیح خطوط پر نشوونما ہے۔ خودی خدا کے قریب آکر منفرد اور یکتا ہوتی ہے۔ خدا نے نفس انسانی کی تگ و دو کے لیے کچھ حدود مقرر کی ہیں جن کے مجموعے کا نام شریعتِ الہیٰ ہے۔ شرع کے احکام کی پابندی خدا کا تقرب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس سے خودی کو اپنی آزادی کی حد کا پتا چلتا ہے ادر وہ افراط و تفریط سے بچ کر صراط مستقیم پر چلتی ہے۔

اقبال کا تصورِ خودی ایک وسیع وبسیط تصور ہے جس کے گوناں گوں عناصر میں فقر، قوت، عشق، پیکار اور ایمان وایقان جیسے لوازم شامل ہیں۔ جو خودی کی ترقی واستحکام کے لیے ناگزیر ہیں۔[۲۷]

اقبال نے تصورِ خودی کے ذریعے فرد کی شخصی انفرادیت پر زور دیا تو اس سے شبہ پیدا ہوا کہ شاید وہ اجتماعیت کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ اس غلط فہمی کے ازالے کے لیے علامہ نے اسرار خودی کے بعد مثنوی رموز بے خودی تحریر کی۔

تصورِ بے خودی کا مرکزی نکتہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں اس طرح پیش کیا ہے:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں[۲۸]

فرد جب انفرادی خودی کو ترک کر دے یا اس سے صرفِ نظر کرے یا اقبال کے الفاظ میں: "افرادِ قوم کسی آئینِ مسلم کی پابندی سے اپنے ذاتی جذبات کی حدود مقرر کریں۔ تو یہ بے خودی ہے۔

علامہ فرد اور جماعت کو ایک دوسرے کے لیے ناگزیر اور باعثِ رحمت سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں:

فرد را ربطِ جماعت رحمت است

جوہر اور اکمال از ملت است

فرد می گیر دز ملت احترام

ملت از افراد می یابد نظام[۲۹]

اجتماعی بیداری یا ہوشیاری کے حوالے سے معینی لکھتے ہیں:

جب نفس ناطقہ کے سلسلہ ہوشیاری میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ تو نفس بیمار پڑ جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوائے حیوانی رفتہ رفتہ تحلیل ہو جاتے ہیں۔ یہی حالت اقوام کے نفسِ ناطقہ کی ہے جس کا تسلسل اس اجتماعی تجربہ کے باقاعدہ انتقال پر ہے۔ [۳۰]

تنولی اسلام کی انفرادی خودی کی تربیت اور اجتماعی خودی کی تشکیل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

علامہ کے مطابق اسلام کا مقصد خودی کی تربیت اور پھر اس سے اجتماعی انا کی تشکیل ہے۔ دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدہ کی رو سے ہر شئے پر مقدم ہے، نفسِ انسانی اور اسکی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود متعین کرتا ہے۔

علامہ نے استحکام خودی اور تعمیرِ سیرت پر بہت زور دیا ہے۔ ان کے لیے استحکامِ خودی فی نفسہ مقصود نہیں۔ وہ استحکامِ خودی کے بعد اسے معاشرے میں ضم کر دینے کی تلقین کرتے ہیں۔ [۳۱]

انفرادی خودی کی نشوونما مقصود بالغایت نہیں۔ یہ جمعیت کے استحکام کا ایک ذریعہ ہے۔ نیابت الٰہی کے منصب پر فائز خودی اجتماعی شعور پیدا کیے بغیر اپنی ذات میں پنہاں اخلاقی قوتوں کو بروئے کار نہیں لا سکتی اور نہ "ملی انا" اپنے اندر جذب کیے بغیر قومی ہستی کے تسلسل کو قائم رکھ سکتی ہے۔ نبوت کا مقصد گوشہ نشین افراد پیدا کرنا نہیں بلکہ ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم کرنا ہے جس میں احترام آدمیت کا بول بالا ہو پس اجتماعی خودی کی نشوونما اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ انفرادی خودی کی نشوونما۔ خودی اخلاق کی خالق ہے، لیکن وہ اس منصب پر اس وقت تک فائز نہیں ہو سکتی جب تک حریت، مساوات اور اخوت کے معاشرتی اصولوں پر اس کی تربیت نہ کی جائے۔ اسلام کا مثالی معاشرہ ایک روحانی برادری ہے۔

اجتماعی خودی کی تشکیل کا آغاز نفس میں تبدیلی سے ہوتا ہے۔ فطرت کا اٹل قانون جسے قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے:

انَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْؕ[۳۲]

یہ قانون فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے۔ [۳۳]

حاصلات

فکرِ اقبال کے تناظر میں بیان کردہ سوشل سائنسز کے حوالے سے اسلامی نظریات آفاقی اصولوں پر قائم ہیں۔ انسان کی انفرادی خودی کی نشوونما و استحکام ہو یا معاشرہ کی اجتماعی خودی کی فلاح مقصود ہو، اسلام اس حوالے سے بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے مایوسی اور احساس کمتری کے مارے انسان کو نہ صرف امید دلائی ہے بلکہ اسے اپنی عظمت کا احساس دلا کر بے پناہ قوت اور حوصلہ عطا کیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ نے انسان کو اسکی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے معاشرہ کا مفید اور باوقار شہری بننے کی تلقین بھی کی ہے۔ ایسا انسان جو قوم کے لیے ذاتی مفاد کو قربان کر دے۔ علامہ مسلمانوں کو خود غرضی، لالچ، مفاد پرستی سے دامن چھڑا کر امتِ واحدۃ کی تشکیل و تعمیر کی دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ اس طرح وہ تمام مسائل جو جدید تمدن کے پروردہ ہوں انہیں علامہ اقبال اسلامی انداز میں سمجھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہی وہ منہج ہے جسے علامہ اقبال نے اپناتے ہوئے جدید سماجی علوم کا اسلامی اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مطالعہ کرنے کی

ترغیب دی ہے۔

حوالہ جات

[1]- Greenfeld, Liah and Nisbet, Robert A.. "social science". Encyclopedia Britannica, 22 Oct. 2021, https://www.britannica.com/topic/social-science. Accessed 24 December 2022 .

[۲]-صدیقی ، بختیار حسین، مسلمانوں کی تعلیمی فکر کا ارتقاء، ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور-۲۰۰۹ء،ص۱۱٦

Ṣiddīqā,Buḥtiar Ḥusīn, Musalmano kā Tʿlīmā Fikr Ka Irtiqa,Page:116,2009, Idara Saqafat Islamīḥ, Lahūr

[۳]-ایضاً،ص۱۲۰

Ibid.Page:116

[٤]-حاکم ،عبداللہ محمد بن عبداللہ، المستدرک ،دارالکتب العلمیہ،بیرو ت لبنان،۱۹۹۰، ج:۱ ص:۱٦۱

Ḥakim, ʿbdullaḥ Muḥammad Bin ʿbdullaḥ, Al'Mustadrak, Vol: 1, Page:161, Darul'Kitab Al'ilmīḥ, Bīrūt Libnan.

[٥] -ایضاً

ibid

[٦] -سیوطی،جلال الدین، جمع الجوامع ، الأزهر الشريف مجمع البحوث الإسلامية ،۲۰۱۰ ،ج:۱ص:٤٧٥ ،

Sīūtā,ğelal ud dīn, ğemʿ al'jawamiʿ, Vol:1 Page:475, 2010, alazhar alšarīf, meğma al'bahot al' Islamīḥ,

[٧] -ایضاً

ibid

[٨]-معینی ، عبدالواحد،مقالاتِ اقبال-لاہور:عرفان افضل پرنٹرز،۲۰۱۱ء،ص۲۸۰

Muʿīnā, abdul'waḥid, Maqalat'i Iqbal, Page:280, 2011, irfan Afzal printerz,Lahūr

[٩]-اقبال،علامہ محمد،تجدید فکریات اسلام،مترجم:عشرت وحید لاہور: اقبال اکادمی پاکستان،ص۱۱

Iqbal, Alamah Muhammad, Tğdīd fikriyat'I Islam, Page:11,2002 ,Mutrajim: Išrat, Wahīd,:Iqbal Acīadmā Lahūr, Pakistan

[١٠]-القرآن، الحجر ۲۹:۱۵

Al'quran, al'hijar 15:29

[١١]- علوی،عبدالحی،اصول نفسیات،اسلاآباد،مقتدرہ قومی زبان،ص:۱۱

ʿlwā, abdul'haā, asool'i nafsīat,Page:11, Muqtadra Qoumā Zaban, Islamabad

[١٢]-القرآن،جاثیہ،۲۳:۴۵

Al'quran,jaṯia,45:23

[١٣]-القرآن،یوسف،۵۳:۱۲

Al'quran, īusuf,12:53

[١٤]-القرآن،الشمس،۷،۸:۹۱

Al'quran, Al'šams,91:7,8

[١٥]-خان، غلام مصطفےٰ(۲۰۱٦ء)"اقبال اور قرآن"،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،ص۲۲

ẖan, ġulam Mustafa, Iqbal aur quran, Page:22,2016, Iqbal Acīadmā Lahūr, Pakistan

[١٦]-القرآن،۵:۱۰۵

Al'quran,5:105

[١٧]-احمد، نعیم، اقبال کے فلسفیانہ تصورات۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۱۸ء،ص۲۳۴

Ahmad, Naʿīm, Iqbal ke falsfiana taswarat,Page:234,2018, Iqbal Acīadmā Lahūr,Pakistan

[١٨]-امینی،محمدتقی،لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر،کراچی:نفیس اکیڈمی،1997ء،156

Amīnā, Muhammad Taqi,La mazhabi dūr ka tarīẖā pasi Manzar, Page:156, 1997, Nafees Acīadmā, Karachā

[١٩]-القرآن ،الإسراء،۷۰:۱۷

Al’quran, alisra, 17:70

[20]-القرآن،التین،۹۵:٤

Al’quran. Altīn, 95:4

[21]-اقبال، علامہ محمد۔ کلیاتِ اقبال: اردو۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء۔ ص ۲۸۲

Iqbal, Allamah Muhammad, kullīat’I Iqbal,Page:282,1990 Iqbal Acīadmā Lahūr,Pakistan

[22]-اقبال، علامہ محمد ۔بالِ جبریل۔لاہور:اقبال اکادمی پاکستان، سن ندارد، ص۲۳

Iqbal,Allamah Muhammad, Bal’e Jibreel,Page:23, Iqbal Acīadmā Lahūr,Pakistan

[23]-اقبال، علامہ محمد۔ کلیاتِ اقبال: اردو۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء۔ص۲۸۳

Iqbal, Allamah Muhammad,Kulliat’i iqbal, Page:283,1990, Iqbal Acīadmā Lahūr, Pakistan

[24]-تنولی، طاہر حمید ، معاصر تہذیبی کشمکش اور فکرِ اقبال۔ لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۱۸ء،ص ۱۹۷

Tanūli, Tahir Hamīd, Muaasir Tehzībā Kašmakaš Aur Fikre Iqbal,Page:197,2018,Iqbal Acadmi Lahūr Pakistan

[25]-نعیم احمد: ’انسانی شخصیت، فرائید اور اقبال کی نظر میں‘‘، سہ ماہی مجلہ اقبال، اپریل ۱۹۹۵ء، ج:۳۲، شمارہ :۲، بزم اقبال، کلب روڈ، لاہور

Ahmad,Naʿīm, insanī šaẖsiat, fraued aur Iqbal ki nazar mīn, “Iqbal”, April-1995, Vol.32, Issue 2, Bazm’Iqbal, Lahūr

[26]-سیال، طالب حسین۔ تصوف اور عمرانی مسائل اقبال کی نظرمیں۔ لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۱۸ء،ص۹۳

Sīal, Talilb Hussaīn, Tassawuf Aur Imrani Masaīl;Iqbal ki Nazar Mīn,Page:93,2018, Iqbal Acaīdmi Lahūr Pakistan

[27]-ہاشمی، رفیع الدین،اقبال سوانح اور افکار۔ لاہور:یو ایم ٹی پریس،۲۰۱٦ء،ص۷٦

Hašmi, Rafīʿal’dīn, Iqbal Sawaneh aur afkar,Page:76 UMT press,Lahūr

[28]-اقبال، علامہ محمد۔ بانگِ درا، لاہور:شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۷۳ء،ص۱۹۰

Iqbal,Allamah Muahammad,Banği dara,Page:190,1973, Lahūr, šaīẖ ġulam Ali and sons,

[29]-اقبال،علامہ محمد۔رموزِ بے خودی؛ لاہور،یونین سٹیم پریس،۱۹۱۸ء،ص۸۵-۸٦

Iqbal,Allamah Muhammad, Ramūz’I Beẖudi,Page:85,86,1918, Union Stem Press, Lahūr

[30]-معینی ، عبدالواحد،مقالاتِ اقبال۔لاہور:عرفان افضل پرنٹرز،۲۰۱۱ء،ص۱۷۱

Muʿīnā, abdul’waḥid, Maqalat’i Iqbal, Page:280, 2011, irfan Afzal printerz,Lahūr

[31]-احمد، نعیم، اقبال کے فلسفیانہ تصورات۔ لاہور: اقبال اکادمی پاکستان،۲۰۱۸ء،ص۲۳۴

Ahmad, Naʿīm, Iqbal ke falsfiana taswarat,Page:234,2018, Iqbal Acīadmā Lahūr,Pakistan

[32]-القرآن ،الرعد،۱۳:۱۱

Al’quran, Al’rʿd, 13:11

۳۳-شکیل ، عبدالغفار، اقبال کے نثری افکار۔ دہلی:انجمن ترقی اردو،۱۹۷۷ء،ص۳۳۴

Šakīl. Abdul Ġafar,Iqbal Ke Naṯri Afkar,Page:334,1977, Anjuğman Taraqi Urdū,Dehli